08/11/2019

سوال میں محترم آفتاب صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے بہت تفصیل سے ایک بیان ارسال فرمایا۔ بہتر ہوتا کہ آفتاب صاحب بیان شروع کرنے سے پہلے بیان کا عنوان بھی ارشاد فرما دیتے کہ دی ہوُ لسٹ میں سے یہ بیان کس موضوع پر ہے۔

چونکہ اس بات پر کافی سیر حاصل گفتگو ہوئی تھی کہ آغاز **اسلام دینِ فطرت** کے موضوع سے کیونکر ہو، اور ساتھ ساتھ اس کی ایک لسٹ بھی جاری کی تھی اس لئے ہم نے اس موضوع کو بدیہی (a priori) سمجھا، بہرحال اس نکتے کو نوٹ کیا گیا ہے اور آئندہ ہم شروع میں ہی موضوع کا اعلان کریں گے۔

سوال ۔ا اس گفتگو کی ابتداء میں آفتاب صاحب نے ایک نظریے کی نفی کرتے ہوئے کہا: کچھ لوگوں کا تصور ہے کہ جس طرح ہم قرآن کو سمجھتے ہیں وہی اسلام ہے۔ اس کے بعد آفتاب صاحب نے اس نظریے کی تردید کی۔ میرا سوال ہے کہ اسماعیلی نقطہ نظر اس حوالے سے کیا ہے؟ کیا وہ ہر مسلمان طبقے کے قرآن کریم کے سمجھے ہوئے معنی و مطلب کو درست سمجھتے ہیں یا صرف اسماعیلی ائمہ کے بیان کئے ہوئے مطلب کو درست سمجھتے ہیں؟

مثال کے طور پر آفتاب صاحب نے اپنی گفتگو میں آیات کے جو معنی بیان کئے کیا صرف وہی ایک معنی درست ہیں یا ان کے علاوہ دوسرے اہل علم جو معنی بیان کریں گے وہ بھی درست ہوں گے؟

جواب: چونکہ قرآن کریم اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے اس لئے اس کتاب کے عقلی معجزات کے خزانے میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اس کتاب میں ہر ہر چیز کا بیان موجود ہے (وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۱۶:۸۹)، یعنی تمام علوم کلّی طور پر اس میں گھیرے ہوئے ہیں، پس قرآن کریم میں سمجھنے کے لحاظ سے درجات ہونا ایک فطری بات ہے (نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۔ہم جس کے لیے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے ۱۲:۷۶)، اور خداوند تعالی کی رحمت میں یہ گنجائش ہے کہ تمام مسلمان اس کو اپنی اہلیّت اور رسائی کے مطابق سمجھیں، اور اس سلسلے میں کسی بھی کمی کوتاہی کے حوالے سے اللہ پاک کے حضور سے بخشش طلب کی جاسکتی ہے اور ربّ العزّت کے درگاہ سے اس کی امید بھی رکھی جاسکتی ہے۔ لہٰذا آیات مبارکہ کو سمجھنے کے حوالے سے درجات کا ہونا بلکل فطری ہے، پس کسی ایک سمجھ کا کلّی طور غلط ہونا بلکل بھی ضروری نہیں ہے۔ اور قرآن شریف کے معانی میں یہی وسعت ہے جو دین اسلام کو اس جہاں میں ممتاز کرتی ہے اور تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے میں دینِ اسلام کے بقا کی ضمانت ہے۔

البتّہ اگر یہ کوشش فتنہ برپا کرکے فرقہ واریت کو ہوا دینے کے لئے اور محض کفر وغیرہ کا فتویٰ داغ کر مسلمانوں کے بیچ

میں تفرّقہ بازی کروانے اور اس سے ذاتی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے ہے تو یقیناً خداوند کریم قرآن شریف کو سمجھنے کی ایسی کوشش کی بھرپور مذمّت کرتا ہے(فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ ۳:۷)، اور اس طرح کے معنی خدا کے نزدیک یکسر غلط، قابل مذمّت اور خداوند تعالیٰ سے دوری کا باعث ہیں۔

پس آپ کے پہلے سوال کے دوسرے حصّے کے حوالے سے میری رائے یہ ہے کہ کسی بھی آیت کے معنی کو پرکھ کے ہی بتایا جاسکتا ہے کہ منطقی طور پر، معنوی صحت کے لحاظ سے اور قرآنی اصولوں کے مطابق اس کے معنی کے درست ہونا یعنی کسی معنوی درجے پر آنا ممکن ہے یا نہیں۔

سوال۔۲ آفتاب صاحب نے اس گفتگو کی ابتداء میں یہ بھی کہا کہ یہ تصور کہ صرف ہم اپنی سمجھ کے مطابق قرآن سمجھ کے نجات پا جائیں گے اور باقی سب لوگ جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔ اور اس کے بعد اس تصور کی تردید کی۔ سوال یہ ہے کہ اسماعیلی نقطہ نظر سے جو لوگ اسماعیلی عقائد کے پابند نہیں ہیں آپ سے مختلف نظریات رکھتے ہیں مثلاً اہل السنہ و الجماعہ یہ نجات پا سکیں گے یا نہیں؟

آپ نے اسی گفتگو میں کہا کہ لوگ سمجھتے ہیں صرف ہماری نیکی قبول ہو گی باقی فرقوں اور مذاہب کے لوگوں کی نیکیاں قبول نہ ہو گی. آپ نے کہا کہ یہ بھی غلط تصور ہے۔ سوال ہے کہ اسماعیلی نقطہ نظر سے کسی انسان کی نیکی کس بنیاد پر قبول ہوتی ہے؟ کیا ہر انسان کی نیکی قبول ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا نہ ہو؟ یا نیکی کے قبول ہونے کے لئے کوئی شرط ہے؟

جواب: میں مناسب سمجھوں گا کہ آپ کے دوسرے سوال کا جواب ہم قرآن شریف ہی سے رہنمائی اور خداوند ربّ العزّت سے استمداد طلب کرتے ہوئے دینے کی کوشش کریں۔ ہمارے نزدیک رحمت خداوندی میں یہ گنجائش ہے کہ کوئی بھی شخص اور بالخصوص ایک مسلمان حتی المقدور کوشش کرے تو خداوند کریم اس کی کوشش کا مناسب صلہ دے گا، جیسا کہ سورہ زلزال (۹۹) میں خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (7) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (8)۔

اس سوال کا تشفّی بخش جواب دینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ نجات کے حوالے سے ہمارے نظریے کا اختصار سے ذکر ہو کیونکہ آگے جا کے مفصّل ذکر آنے والا ہے۔ ہمارے نزدیک جہنّم بھی ایسا ٹھکانہ ہے جس میں سزا کے عنوان سے ایک روح کو عرصہ دراز تک انتہائی تکلیف دہ تربیت دینے کے بعد رحمت خداوندی میں درگزر کی گنجائش ہے یعنی رحمت خداوندی اور علم جو ہر چیز پر حاوی ہے اس رحمت میں یہ ممکن ہے کہ جہنّم کی آگ بھی ٹھنڈی ہو، کیونکہ خداوند جب ہر شی کو اپنے دست مبارک میں لپیٹ لیتا ہے (۳:۲۶، ۲۱:۱۰۴) تو یہ ممکن نہیں کہ خداوند کے مبارک ہاتھ میں خیر کے علاوہ شر بھی ہو۔ الخلق عیال اللہ کی حدیث مبارکہ اسی تصوّر کی طرف اشارہ دیتی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف بہت سی مستند احادیث توجّہ دلاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے: سبقت رحمتی علیٰ غضبی: یعنی میری رحمت میرے غضب سے بہت زیادہ ہے (صحیح

مسلم، ص ۱۱۹۲، حدیث ۶۹۷۰)۔

پس یہ ثابت ہوا کہ قرآن کریم کو سمجھنے کی صدق دل سے کی ہوئی تمام کاوشوں کا اللہ کے حضور میں مناسب صلہ ہے۔ اب اس مختصر وضاحت کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ قرآنی علوم تک کلّی رسائی کا درست طریقہ کیا ہے تاکہ ہم تمام مسلمان کلّی نجات کے لئے صحیح سمت میں سعی کرسکیں اور اس سے تمام سوالات کا ایک ساتھ جواب بھی مہیّا ہو۔ اس کا جواب وسیع سے وسیع بھی ہوسکتا ہے اور مختصر سے مختصر بھی، اختصار سے اس کے جواب کے لئے ہم ایک دفعہ پھر قرآن کریم ہی سے رجوع کرتے ہیں۔

جیسا کہ قبلاً اس کا تذکرہ ہوا کہ قرآن کریم میں جملہ علوم کلّی طور پر مجموع ہیں (وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۵۹:۶)،

اب کسی بھی مسلمان کے لئے یہ سوچنا جائز نہیں کہ خدا نے کوئی شی اور خصوصاً فرقانِ مجید بے کار پیدا کیا ہو، پس ہمیں لامحالہ اس کے علاوہ کوئی منطقی نتیجہ اخذ کرنا ممکن نہیں کی یہ سارے علوم انسان ہی کی نجات کے لئے رکھے گئے ہیں۔ البتّہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی شخص عربی میں مہارت حاصل کرکے، ان آیات کو حفظ کرکے یا دو چار اعلیٰ ترین اسناد حاصل کرکے قرآن پاک جیسی معجزانہ کتاب کی علمی وسعتوں تک رسائی کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اس کا حل خود تجویز کیا ہے، کہ اگر آپ قرآنی علم حاصل کرتے ہوئے کسی لاینحل مسئلے میں پھنس جاتے ہیں تو اہلِ ذکر سے رجوع کریں (وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۱۶:۴۳)۔ اہلِ ذکر سے رجوع تو اب مسلّمہ ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ اہلِ ذکر کون ہیں؟

ذکر قرآن پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اور ذکر حضورﷺ کے اسمائے مبارک میں سے بھی ایک اسم ہے، پس ہم منطقی طور پر یہ دلیل دے سکتے ہیں کہ اہلِ ذکر آلِ پاکِ محمدﷺ اور وارثِ قرآن ہیں۔ پس قرآنِ شریف کے اس حکم کے مطابق مشکلاتِ قرآن کے حل کے لئے ہمیں اہلِ ذکر کو تلاش کرنا ہی پڑے گا، اور جس طریقے سے مناسب ہے ان سے پوچھنا پڑے گا، تاکہ بطریقِ حکمت ہمیں قرآنی علم مہیّا ہوسکے۔ پس قرآن پاک کے اس قانون کے مطابق اس پر غور کرنے کی بجائے کہ پوچھنے والا کون ہے (یعنی زید ہے، بکر ہے، سنّی ہے یا شیعہ ہے وغیرہ وغیرہ)، ہمیں اس پر توجّہ دینے کی ضرورت ہے کہ حقیقی علم حاصل کرنے کا منبع کہاں ہے!

میرا خیال ہے یہ آپ کے تیسرے سوال کا بھی احاطہ کرتا ہے، ہم مشکور ہیں کہ آپ نے کچھ نکات کے واضح کرنے کا موقع دیا، ہم انشااللہ آنے والے مضامین میں ان تصوّرات کی مفصّل وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے۔ البتّہ اس مرحلے پر بھی مذید کسی وضاحت کی ضرورت ہوگی تو ہم مل کر سمجھنے کی کوشش کریں گے۔